Safeeneh
A Research Journal of Persian
Language, Literature and Culture
No 11, 2013 pp 193-201

سفینه
مجلهٔ تحقیقی در زمینهٔ زبان ، ادبیات و فرهنگ فارسی
شمارهٔ ۱۱ ، ۲۰۱۳ میلادی ، صص ۱۹۳ تا ۲۰۱

اَدب میں کلچر کی نمائندگی

ڈاکٹر رحمان اختر
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ فارسی ، اُردو عربی
پنجابی یونیورسٹی ، پٹیالہ، پنجاب (بھارت)

چکیده:

ادیبان، محققان و دانشمندان اعتقاد دارند که فرهنگ در بر دارندهٔ تمدن، رسوم و سنن، دین و مذهب، اقدار اجتماعی، هنر نمایی و رفتار های مردم عامه می باشد، در عین حال آنها بر اهمیت ادب نیز تاکید دارند. در مقالهٔ حاضر نویسندهٔ محترم تأثیر و نفوذ و اهمیت فرهنگ و انعکاس آن در ادب یك جامعه را مورد نقد و تحلیل و تجزیه قرار داره است.

واژه های کلیدی: فرهنگ، ادب، تأثیر و نفوذ، تحلیل و تجزیه.

ممتاز ماہرِ سماجیات ڈیوڈ ایل۔ سلس کی مرتبہ انٹرنیشنل انسائیکلو پیڈیا آف دی سوشل سائینسز میں کلچر کا مفہوم یہ دیا گیا ہے:

''کلچر یا تمدّن اپنے مفہوم کے اعتبار سے بنی نوع انسان سے متعلق معلومات کا وہ سرچشمہ ہے جس میں عقائد، آرٹ، اقدار، قوانین، رسومات کا طرز اور مزاج شامل ہوتے ہیں۔ ان عناصر سے انسان کی تشکیل ہوتی ہے اور اس تشکیل میں ڈھل کر ہی انسان سماج کا حِصّہ بنتا ہے۔''

اس مفہوم کی روشنی میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کے طریقۂ حیات، خیالات، اقدار، مذہبی اور معاشرتی طریقۂ کار اور بتدریج زندگی کا ترقیاتی سفر کلچر کے دائرے میں شامل ہوتا ہے۔ ان تمام عناصر کے ساتھ انسانی سوچ کے منظر و پس منظر اور فلسفۂ حیات بھی کلچر ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔

ممتاز مغربی محقق ایچ۔ پی فیئر چائلڈ (H.P. Fairchild) کے مطابق:

''کلچر انسانی احساسات و خیالات کا دوسرا نام ہے یہ انسانی مزاج کو اشارتی اور علامتی انداز سے سماج میں ایک شناخت دلاتا ہے اور اسی شناخت کے ساتھ نئی نسل تک منتقل ہو جاتا ہے۔''

بابائے اُردو ڈاکٹر عبدالحق نے اپنی 'انگریزی اُردو لغت' میں کلچر کے معنی، تہذیب، تربیت، ذہنی ترقی، فلاحت، زراعت، پرورش، کھیتی اور فصل لگانا دیے ہیں۔ اس معنویت کے پیشِ نظر کلچر انسانی تمدّن کے عروج کا سبب بنتا ہے اور بشریاتی زاویے اور سماجی ڈھانچے کے نظریے سے پرکھا جاتا ہے۔ مغربی محقق کروبر (Kroeber) نے تہذیب و تمدن کے عروج و زوال کو اسلوبِ بیان کی ترتیب کی عمل پذیری کے مختلف ادوار کی صورت میں پیش کیا ہے۔ کروبر (Kroeber) نے ۱۹۵۷ء اور ۱۹۶۳ء میں کلچر سے متعلق جو نظریہ دیا ہے اس کے نمونے کو پیٹرن تھیوری (Pattern Theory) کہا گیا ہے۔ کروبر کے مطابق:

''کلچر شخصی اور اجتماعی طور پر پیدا ہوتا ہے جو متعلقہ لوگوں اور ماحول کو متاثر بھی کرتا ہے اور ان سے متاثر بھی ہوتا ہے۔''

اس خیال کو دوسرے لفظوں میں یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ کلچر باہمی تاثر، انسانی حیاتیات، نفسیات اور جغرافیے کے بیچ واقع ہوتا ہے اور اس طرح تمدن کے عروج کا سبب بنتا ہے۔ یہی کلچر کا تاریخی عمل بھی

ہے۔سٹیورٹ ہال اورٹونی جیفرسن کے مطابق:

''کلچر وہ طریقۂ عمل ہے جس کے ذریعہ کسی طبقہ کے سماجی رشتے تعمیر ہوتے ہیں اور انھیں ایک شکل دی جاتی ہے، لیکن یہ ایک ایسا ڈھنگ بھی ہے جن کے ذریعے ان رشتوں کو زیرِ تجربہ لایا جاتا ہے۔''

کسی بھی خاص دور میں عمل لوگوں کے ایک گروہ میں ایک پیٹرن (نمونے) کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اور اس گروہ کی بیتی ہوئی زندگی کا ترجمان بنا رہتا ہے۔ گروہ میں شامل لوگوں کی شعوری اور لاشعوری دلچسپیوں، ان کی معلومات اور ان کی ماحولیاتی صورتِ حال سے بھی اس کی وابستگی رہتی ہے۔

کروبر(Kroeber)اور کلک اون (Kluckhohn) نے ۱۹۵۲ء میں جو نظریہ پیش کیا ہے اس کے مطابق کلچر انسانی ساخت اور ماحول کے بیچ ایک غیر مستقل عنصر ہوتا ہے۔یعنی یہ انسانی گروہوں کی زبان، ان کے عمل اور ان کے طریقۂ کار میں یکجہتی پیدا کرتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کی روشنی میں ہم نیشنل کلچر اور علاقائی کلچر میں تمیز کر سکتے ہیں۔

کلچر کے بشریاتی نظریہ کے علاوہ ایک دوسرا نظریہ، سماجی ڈھانچے کا نظریہ ہے جس کے مطابق سماجی ڈھانچہ اور سماج کا جماعتی نظام کلچر کے جز نہیں ہوتے بلکہ لوگوں کے کسی گروہ کا مکمل کلچر ہوتے ہیں۔ اس نظریئے کو ریڈ کلف براؤن (Redcliffe Brown) نے ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۰ء میں پیش کیا۔ اس نظریئے کی کافی حد تک مقبولیت رہی۔ ریڈ کلف براؤن کے مطابق:

''سماجی ڈھانچہ، سماجی رشتوں، مختلف سماجی طبقوں اور سماج میں ان سب کے کردار کو کلچر کہتے ہیں۔''

یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تمام ساختیاتی نظام اپنی ساخت کے طور پر ایک دوسرے سے مختلف ضرور ہیں لیکن عملی طور پر ان کی حیثیت اِکائی کی ہوتی ہے۔ مثلاً پنجاب کے علاقہ ماجھا، مالوہ اور دوآبہ ساختیاتی نظام کی رو سے مختلف ضرور ہیں، لیکن مجموعی اور عملی طور پر پنجابی معاشرہ کی ایک اکائی ہیں۔ ساختیاتی نظام کے تمام عناصر ہم آہنگ ہوکر عمل پیرا رہتے ہیں۔ ریڈ کلف براؤن کا یہ نظریہ موثر بھی ہے اور آفاقی بھی ہے۔ یہ نظریہ ہر قسم کے سماجی گروہوں پر لاگوں ہوتا ہے۔شروع میں یہ نظریہ ناخواندہ اور سادہ سماجی گروہوں تک ہی محدود تھا لیکن سماجی بشریت کی وسعت کے ساتھ اس کی حدود بھی وسیع ہوگئیں اور اس طرح سماجی بشریت کو سماجی ڈھانچے کی آفاقیت کے قریب لایا گیا۔

ماہر سماجیات ریمنڈ ولیمز (Raymond Williams) نے کلچر کو تین حصوں میں منقسم کیا ہے

(۱) مثالی اور آفاقی اقدار کا کلچر

(۲) علوم وفنون سے متعلق نشو ونما کا کلچر

(۳) سماجی ، انفرادی اور حوالہ جاتی کلچر

ریمنڈ ولیمز (Raymond Williams) کے خیال میں مثالی کلچر آفاقی اقدار کا ہوتا ہے۔ آفاقی اقدار کے تحت سماج کے افراد اپنی تشکیل اپنے ترقیاتی عمل سے کرتے ہیں اس تعریف کے زمرے میں آفاقی قدریں آتی ہیں جو انسانی سماج میں قدرِ مشترک ہوتی ہیں ۔ جیسے ایمانداری، سچّائی ، محبت ، چاہت ، خلوص یگانگت وغیرہ۔ دوسرے الفاظ میں وہ اعلیٰ اقدار جو ایک مثالی انسان کی تشکیل کرتی ہیں۔ ان کی وضاحت وقت اور حدود سے بالاتر ہوتی ہے اور یہی وہ اقدار ہیں جو نسل درنسل حوالہ جاتی طور پر ایک آفاقی کلچر کا نمونہ بنتی ہیں ۔ اس آفاقی کلچر سے متعلقہ افراد اپنے مشاہدات اور تجربات سے اجتماعی زندگی کو عملی شکل دیتے ہیں۔ جس سے عوام کا دل ودماغ ایک خاص سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور اس طرح دوسرے لوگ بھی فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔

آفاقی کلچر کی اس تعریف کی روشنی میں یہ مثال دی جاسکتی ہے کہ ہزاروں اور سینکڑوں برس میں پھیلی ہوئی پنجاب کی وہ اعلیٰ اقدار آج بھی ہمارے سامنے مثال ہیں جو ہمیں یہاں کے بزرگانِ قوم سے ملی ہیں ۔ سچّائی ، ایمانداری ، اخوت ، محبت اور یگانگت کے پیغام ہوں یا خدا کی وحدانیت کا عقیدہ ۔ ان اعلیٰ اقدار نے ہی سماج کے افراد کو آفاقی کلچر میں ڈھالا ہے ۔

کلچر کی دوسری تعریف اس کی دستاویزی ، عملی اور فنی حیثیت ہے ۔ ریمنڈ ولیمز کے مطابق اس میں وہ علوم وفنون آتے ہیں جن کے پیش نظر عوام کے مزاج کی عکاسی ہوتی ہے ۔ کسی بھی کلچر اور علاقے کے لوگوں کا ذہن اور ان کے خیالات جاننے کے لیے وہاں کا علاقائی ادب اور وہاں کا فن اس کی بہترین مثال ہوتے ہیں۔ کلیفرڈ گیئرز نے اپنی کتاب لوکل نالج (Local Knowledge) میں کلچر کی فنی تعریف سے متعلق جو وضاحت کی ہے اس کا مفہوم یہ ہے :

> ’’فن کی تھیوری بیک وقت کلچر کی تھیوری ہے یہ کوئی خودمختارانہ معرکہ نہیں ہے ۔ اگر یہ فن کے علم تجسّس کی تھیوری ہے تو اسے سماج میں زندگی کی علامتوں کو تلاش کرنا چاہیے ۔ یہ دریافت دوہری باتوں،

تبدیلیوں اور مماثلتوں کی خود ساختہ دُنیا کی نہیں ہونی چاہیئے۔''

علم وفن کی سطح پر کلچر کی تعریف کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ آرٹ اور اجتماعی زندگی کے بیچ مرکزی رابطہ کسی بھی کام چلاؤ سطح پر ممکن نہیں ہوتا بلکہ تلاش کی سطح پر ہی ممکن ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کلچر ہمیشہ سماج میں ہوتا ہے۔ کلچر اس عمل کو کہتے ہیں جس میں انسان بہتر سے بہتر بننے کی کوشش کرتا ہے۔ علوم وفنون سے متعلق نشو ونما کے کلچر میں عوام کے تصور اور خیالات علم وفن میں محفوظ ہو جاتے ہیں جنھیں اس سماج کے ادب اور فن کے نمونوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ الگ الگ علاقوں کے الگ الگ فنونِ لطیفہ ہوتے ہیں جیسے بالی میں لوگ سکّوں کے بت بناتے ہیں۔ آسٹریلیا میں خام چیزوں سے تصویریں بنائی جاتی ہیں اس طرح اسے علاقائی کلچر کہا جائے گا جو آفاقی کلچر نہ ہوکر علوم وفنون کے کلچر میں آئے گا۔ اس نقطۂ نظر سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر تمام جگہوں پر تمام فنونِ لطیفہ میں یکسانیت اور عمومیت ہو تو یہ خاص تناظر کے تحت تو قابلِ قبول بات ہوگی لیکن یہ ضروری نہیں کہ عالمی طور پر بھی جمالیاتی نقطۂ نظر سے اپیل کرے۔ میٹس (Matisse) کے بقول:

''کسی فن کے ذرائع اور زندگی کو محسوس کرنے کی شِدّت جس سے فن پیدا ہوتا ہے قابل علیحدگی نہیں ہوتی۔''

سماجی، انفرادی اور حوالہ جاتی کلچر لوگوں کے اس گروہ کا ہوتا ہے جس میں عادتوں اور خصلتوں میں یگانگت ہوتی ہے۔ ریمنڈ ولیمز (Raymond Williams) کے خیال میں کلچر کوئی شے نہیں ہوتی۔ ہر فرد میں نہ تو اعلیٰ اقدار ہونا ہی ممکن ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ علم وفن کی سطح پر بھی یکسانیت ہو۔ پھر بھی ذاتی عادتیں اور خصلتیں اپنے میں شناخت رکھتی ہیں اور اسی شناخت کی بنیاد پر افراد کا طرزِ زندگی مقرر ہوتا ہے۔ ریمنڈ ولیمز کے اس نظریئے سے ممتاز اُردو محقق جمیل جالبی نے یہ مثال دیتے ہوئے اتفاق کیا ہے۔

مثال کے طور پر''ایک فرد اپنے گھر سے نکلتا ہے تو اچھے شگن کے لیے اپنا داہنا قدم پہلے باہر نکالتا ہے جو اس کی اپنی عادت ہے۔'' لیکن اگر سوسائٹی کے دوسرے افراد بھی گھر سے نکلتے وقت اسی طرح اپنے اپنے داہنے قدم باہر نکالتے ہوں تو یہ عمل ان کی عادت نہ ہوکر کلچر کے زمرے میں آئے گا۔''

ریمنڈ ولیمز (Raymond Williams) نے کلچر کو متذکرہ جن تین تعریفوں میں منقسم کیا ہے ان سب میں آفاقی اقدار کی خصوصیت نمایاں اور پیش پیش ہے۔ دوسرے الفاظ میں آفاقی اقدار نہ صرف علم وفن سے متعلق تعریفوں کا مرکز بنتی ہیں بلکہ یہی اقدار، اعمال وکردار کی مختلف شکلوں اور سماجی اداروں میں بھی صاف نظر آتی ہیں۔ قدیم سماجوں کا علم اور ماضی کے حالات، علم وفن اور تصور کے شاہکار اور اپنی بات کو دوسروں تک

پہنچانے کے اہم ذرائع مندرجہ بالا تمام تعریفوں کے جُز میں۔'' کنبے اور قبیلے کی بناوٹ یا اس سے بڑے اداروں کے آئین، سماجی رشتوں کو واضح کرتے ہیں ۔جن سے ایسے مثالی رشتوں کا پہلو سامنے آتا ہے ۔''
(جیمس کلفرڈ)

کلچر کی متذکرہ وضاحتوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے:

> '' کلچر میں ہمارے رہنے سہنے کا ڈھنگ ، حکایتیں اور روایتیں ، اخلاق،
> ادب اورفن ، مذہب ، رسومات وتوہمات ، زبان و بیان ،غرض یہ کہ ہماری
> زندگی سے وابستہ ہر اس شے کا عنصر شامل ہے جو ہمارے معاشرے کو
> زندہ، ہماری تخلیقی قوتوں کو پائندہ اور روح کو تابندہ رکھتی ہیں۔''

کلچر کی اس وضاحت کے مطالعے کے ساتھ ادبی اور تخلیقی سطح پر یہ ضروری ہے کہ ہم یہ بھی پرکھیں کہ اس کی نمائندگی تنقیدی سفر میں کسی طور پر ہونی چاہیئے ۔

یہاں سب سے پہلے ہمیں نمائندگی لفظ کی معنویت اور وسعت کو دیکھنا ہوگا ۔ پنجابی اور اُردو ادب میں نمائندگی کو پیش کش یا شمولیت کے معنوں میں لیا گیا ہے ۔ جب کہ نمائندگی معاشرے اور تاریخ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے ۔ معاشرے میں حالات کی تبدیلیوں سے جو حالات اور سوچ کے متوازن عمل ردِ عمل وجود میں آتے ہیں وہ نئی علامتوں اور نئے اظہار میں ڈھل کر تاریخ کا جُز بنتے ہیں ۔اس طرح جس شے کی نمائندگی کی جاتی ہے اس سے براہِ راست نئے اظہار اور نئی علامتوں کا رشتہ قائم ہوتا ہے ۔اس سلسلے میں قوم و کلچر کی نمائندگی کو واضح طور پر پیش کرنے کے لیے مغربی محقق ہائی ڈی گر، کریگ اوونس وغیرہ کے نظریات کونظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔کریگ اوونس (Craigowens) کا خیال ہے کہ نمائندگی ایک علامتی عمل ہے جسے ڈرامائی انداز سے پیش کیا جاتا ہے ۔ ڈرامے میں اداکار کسی اور کردار کی ہو بہونقل اُتارتا ہے گویا اس کی غیر موجودگی میں اس کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو اپنی اداکاری کے ذریعے دوسروں کے سامنے لاتا ہے ۔ دوسرے الفاظ میں وہ غیر موجود شخصیت کی نمائندگی کرتا ہے ۔اداکار بذاتِ خود وہ غیر موجود شخصیت نہیں ہے جس کی وہ علامتی طور پر نمائندگی کرتا ہے بلکہ اس کا نقّال ہے ۔اگر یہ کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا کہ وہ غیر موجود کا موجود ہے ۔نمائندگی کے اس تناظر میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ غیر موجود لمحات کی مجموعی شکل کو حال میں پیش کیئے جانے کو نمائندگی کہتے ہیں ۔یعنی وہ تجربات جو پہلے موجودات تھے اور اب بعد کو غیر موجود ہوگئے ان کی

حال میں پیش کش کو نمائندگی کا نام دیا جاتا ہے۔

نمائندگی کی جہاں بہت سی خوبیاں ہیں وہاں اس میں نقائص بھی ہیں۔ نمائندگی کرتے وقت انسانی فطرت کے تحت نمائندگی کیئے جانے والے موضوع یا شخصیت کی موجودگی کو مجموعی طور پر محسوس (Perceive) کیا جاتا ہے جسے (Gestalt view) کہا جاتا ہے۔ جس سے قارئین و ناظرین کے سامنے جو تصویر آتی ہے اس کے شگاف (Gaps) عام طور پر بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور نقائص سامنے نہیں آتے صرف خصوصیات ہی نظر کے سامنے رہ جاتی ہیں۔

نمائندگی چونکہ ایک مجموعی عمل ہے اس لئے غیر موجود شخصیت یا موضوع یا جس کی نمائندگی کی جارہی ہے اپنے حقیقی روپ میں سامنے نہیں آتا بلکہ سنورے ہوئے روپ میں ہی نظر آتا ہے۔ باالفاظ دیگر نمائندگی کی یہ بھی ایک کمزوری ہے کہ مجموعی مطالعے میں جُزیات نظر انداز ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر بلونت سنگھ کے ناول ''چک پیراں کا جسّا'' کے بارے میں دیواندر اسرّ لکھتے ہیں:

> ''عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ گاؤں کی زندگی میں جو واقعات رونما ہوتے ہیں، ان کے پیچھے تین اہم وجود ہوتی ہیں۔ زن، زر اور زمین جو تمام برائیوں، عذاب اور فنا کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن اس ناول میں بلونت سنگھ نے اس تثلیث کی بجائے عورت کو ہی مرکز بنایا ہے۔ اتنے بڑے کینوس میں زمین کا ذکر نہ ہو اور وہ بھی گاؤں کی زندگی کے پس منظر میں۔ تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ ناول نگار کا کینوس تو بہت پھیلا ہوا ہے۔ لیکن اس میں ریکھائیں اور رنگ ایک ہی طرح کے ہیں۔''

اس پہلو کی روشنی میں اُردو کے جن ناولوں میں تقسیمِ ملک کے زیرِ اثر ہجرت کو موضوع بنایا گیا ہے ان میں قرۃ العین حیدر کے ناول 'میرے بھی صنم خانے' اور 'آگ کا دریا'، قاضی عبدالستار کا 'شکست کی آواز'، خدیجہ مستور کا 'آنگن' اور 'زمین'، عبداللہ حسین کا 'اُداس نسلیں'، کرشن چندر کا 'غدار'، راما نند ساگر کا 'اور انسان مرگیا' وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان سبھی ناول نگاروں نے ہجرت اور منتقلی کے مناظر اپنے اپنے طور پر قلم بند کیئے ہیں۔ قرۃ العین حیدر نے اپنے ناول 'آگ کا دریا' میں منتقلی کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھا ہے:

''امرتسر کے پلیٹ فارم پر شکستہ حال برقعہ پوش عورتیں اور بوڑھے سلاخوں
کے ادھر ویزا پر دستخط ہونے کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ ایک موٹا سکھ افسر
ایک غریب مسلمان عورت سے پوچھ رہا تھا کہ تمہارا نام کیا ہے۔''

ہجرت ہی کو موضوع بنا کر قاضی عبدالستار نے اپنے ناول 'شکست کی آواز' کو جذباتی محبت کے زاویئے سے پرکھا ہے۔ ایک لڑکی اپنے محبوب کو ہجرت کے وقت آخری خط میں لکھتی ہے:

''۔۔۔کل صبح لال پور، سے چلی جاؤں گی۔ ایک اجنبی دیس کو۔۔۔
تمہاری محبت کی قسم میں تم سے بدگمان نہیں ہوں ۔۔۔تم حضرت گنج
کی سنسان سڑکوں پر سگریٹ پھونک رہے ہو، میرے ہاتھوں میں
پاسپورٹ کانپ رہا ہے۔''

منتقلی کا ایک تیسرا پہلو پاکستانی ناول نگار خدیجہ مستور نے ان الفاظ میں اُبھارا ہے:

''تو کیا سارے مسلمان پاکستان جاکر رہیں گے؟'' بڑی چچی نے
پوچھا، واہ اس کی کیا ضرورت پڑے گی، جو جہاں ہے وہیں رہے
گا۔'' مگر ہندو ہمیں رہنے کیوں دیں گے، وہ نہیں کہیں گے کہ اپنے
ملک جاؤ، ان کے جو ہندو ہمارے پاکستان میں ہوں گے ہم ان سے
کب کہیں گے کہ جاؤ۔''

ان مثالوں کے پیشِ نظر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی موضوع تقسیمِ ملک اور ہجرت کا ہے۔ لیکن تینوں نے اس کی وضاحت اور نمائندگی اپنے اپنے طور پر الگ الگ ڈھنگ سے کی ہے۔ الگ الگ زاویوں سے نمائندگی میں اختلافِ نظر بھی پیدا ہوا۔ جس کا اندازہ ان ناولوں کے مطالعے کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں نمائندگی کی کمزوری کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایک ہی موضوع کی نمائندگی جب ایک سے زیادہ آدمی کرتے ہیں تو نمائندگی کرنے والے شخص کے ذاتی تصور و قیاس (Subjectivity of Perception) کی وجہ سے دوسری نمائندگیوں میں اختلافِ نظر پیدا ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں اصل موضوع کا حقیقی روپ سامنے نہیں آپاتا۔

ایسے ناولوں کی روشنی میں تقسیمِ ملک کی نمائندگی مختلف ناول نگاروں نے مختلف زاویوں سے الگ

الگ ضرور کی ہے لیکن مجموعی طور پر دیکھا جائے تو موضوع کی اہمیت اپنی جگہ اہم ہے یعنی ہر قلم کار کا موضوع تقسیمِ ملک ہے جو ہائی ڈی گر کے مطابق موجودات کے زمرے میں آتا ہے۔ یہ موجود یعنی 'اب' ہے جو ہر تفسیر و تبدّل کے بعد بھی تقسیمِ ملک ہی رہتا ہے۔ ہائی ڈی گر کے مطابق:

> ''اب وہ ہے جس پر وقت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جبکہ لمحہ حال سے ماضی بن جاتا ہے اور 'اب'، 'اب' ہی بنا رہتا ہے۔ کسی شے کے موجود رہنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ وقت سے آزاد ہو۔ موجود کی موجودگی کو ہونا (Being) کہا جاتا ہے۔ کسی بھی شے کا جسمانی طور پر غیر موجود ہونا ممکن ہے لیکن وہ تصوراتی اور نفسیاتی طور پر موجود ہی رہتی ہے۔''

کلچر اور نمائندگی کے تناظر میں جب ہم ادبیات کا مطالع کرتے ہیں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ موضوعِ تقسیم کی اہمیت و انفرادیت حال، ماضی، مستقبل میں یکساں رہی ہے۔ ہائی ڈی گر کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاروتھیا اولکوسکی (Dorothea Olkowski) نے اپنے مضمون میں یہ کہا ہے کہ نمائندگی حال ماضی اور مستقبل کے علاوہ وقت کی چوتھی جہت (Dimension) ہے۔